میر تقی میرشخصیت اور خصوصیات ایک اجمالی تعارف

"تاریخ ماضی کا مقبرہ نہیں ہے کہ وہاں تخلیق کے مردے دفن ہوں بلکہ تاریخ میں زندگی نیم خوابیدہ سی ہوتی ہے اور جہاںادبی تخلیق کا رشتہ تاریخ سے ہوتا ہے تو یہ تہذیبی رشتہ انسانی اقدار کی وراثت میں آ جاتا ہے اسمیں ایسے اشارے ہوتے ہیں جو صداقت کی کرنوں کو بے حجاب دیکھتے ہیں تو پھر ایسی تخلیقات کے چاند کو کبھی گہن نہیں لگتا "(۱)یہ حقیقت محض پروفیسر مجاور حسین کے قلم سے الفاظ کی شکل میں صفحات قرطاس پر نہیں آئی بلکہ ہر تاریخی شعور رکھنے والا انسان یہ جانتا ہے کہ تاریخ گزرے ہوئے لوگوں یا ان سے مربوط چیزوں کا قبرستان نہیں، جہاں پہونچ کر انکی تخلیقات کے سامنے عقیدت کے پھول نچھاور کئے جائیں بلکہ تاریخ ان رشتوں کی ورثہ دار ہے جس میں جگہ جگہ عبرتوں کے دیئے روشن ہیں ۔

تاریخ کے دامن میں محفوظ کسی ادیب کی خون جگر سے تحریر کی ہوئی تخلیقات عالم وجود میں اسکے ذاتی کرب جمالیاتی تصور ،عصری جراحت، مصائب و آلام ،رنج و غم کا پتہ تو دیتی ہے لیکن اسکی باطنی کیفیات اسکے رجحانات اسکے اوپر گزرنے والے حالات پردہ خفا میں ہی رہ جاتے ہیں ۔

ایک ادیب یا شاعر کی تخلیق کی ظاہری مجذوبی صورت دیکھ کر ہر ایک اسے دیدۂ تحسین سے دیکھتا ہے لیکن تخلیق کار دوران تخلیق کس کرب سے گزرا ہے اسکا اندازہ کم ہی ہوپاتا ہے ۔

اپنی لاش آپ اٹھانا کوئی آسان نہیں

دست و بازو مرے ناکارہ ہوئے جاتے ہیں

میر تقی میر کی شخصیت بھی کچھ یوں ہی ہے کہ جنکے کلام کو دیکھ کر اتنا اندازہ تو ضرور ہوتا ہے کہ کوئی غم جاں غم جاناں اور غم دوراں کا تڑپتا

Scanned by CamScanner

بسمل مخاطب ہے لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ ان پر کیا گزری ۔
پیش نظر مقالے میں میر تقی میر کی شاعری سے ہٹ کر انکی زندگی میں بکھرے ہوئے دردوغم ،رنج و الم اور زمانے کی ستم ظریفیوں کو مختصر طور پر یکجا کرنے کی ایک ناقابل کوشش کی گئی ہے اس شخصیت کی زندگی میں پائے جانے والے نشیب و فراز بھی بے شمار عبرتوں کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہیں
خاندانی پس منظر
میر تقی میرکے اسلاف ارض حجاز سے وارد ہندوستان ہوئے انکے پر دادا نے اکبرآباد میں بود و باش اختیار کی اور یہیں میر بھی پیدا ہوئے ا نکی پر ورش دلی میں انجام پائی (۲)انکے والد میر متقی (۳) درویش کامل تھے اور گریہ و استغراق اور کیف مجذوبی میں گم رہتے تھے انکے بچپن کے اتالیق سید امان اللہ تھے جبکہ والد اور اتالیق دونوں زیادہ دیر نہ جیئے میر کے سوتیلے بھائی نے انکی جائدادپر قبضہ کر لیا اور انکے اپنے ماموں سراج الدّین آرزو کی بد سلوکی سے طبیعت جنونی ہو گئی ۔(٤)
میر کے سید ہونے کے سلسلہ میں کچھ لوگوں نے تامل کیا ہے لیکن محمد حسین آزاد صاحب نے انہیں کے کلام سے استناد کرتے ہوئے انہیں سید تسلیم کیا ہے اور اس باب کو یہیں پر ختم کر دیا ہے
چنانچہ وہ کہتے ہیں "پھر بھی اتنا کہنا واجب سمجھتا ہوں کہ انکی مسکینی ، غربت،صبر و قناعت، تقوی ، طہارت ،محضر بن کے اداء شہادت کرتے ہیں کہ سیادت میں شبہ نہ کرنا چاہیے ورنہ زمانے کا کیا ہے کس کس کو کیا نہیں کہا ہے اگر وہ سید نہیں ہوتے تو خود کیوں کہتے
پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی(٥)
کیا کہا جائے کچھ لوگ میر صاحب کے بارے میں قطعی نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ پاگل پن کا شکار تھے اسی کے مقابل کچھ لوگ اسے میر کی حساس طبیعت سے جوڑکر دیکھتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ جس ماحول میں میر نے زندگی گزاری ہے اس ماحول میں جو کوئی بھی ہوتا اس قدر مصائب کی تاب نہ لا کر اسی کیفیت کا شکار ہو جاتا جو میر پر طاری تھی مع ذالک کچھ ادیبوں کا خیال ہے کہ"میر بے حد نازک طبع اور غیور تھے

Scanned by CamScanner

چنانچہ بد دماغ اور مردم بے زار مشہور ہو گئے اس دور کے انتشار اور بد نظمی نے میر کو متاثر کیا اور ایک دائمی غم انکے دل پر محیط ہو گیا میر کی شاعری انکی داخلی واردات اور اس پریشان حال دور کی سماجی صورت کا آینہ ہے، وہ زمانے کو بچشم نم دیکھا کئے اور دل کی زبان سے حالات زمانہ رقم کرتے گئے"(٦) میر کی جنونی کیفیت کے مختلف ابعادپر طبی اور نفسیاتی نقطہ ہائے نظر سے انٹر نیٹ پر میر فن اور پاگل پن قابل دید ہے (٧)اگر بد دماغی کو پاگل پن کے زمرے میں رکھا جائے تو محمد حسین آزاد صاحب کے مطابق یہ ماننا ہی پڑے گا کہ وہ پاگل پن کا شکار تھے "اپنی بد دماغی کے سایہ میں دنیا و اہل دنیا سے بیزار گھر میں بیٹھے رہتے تھے اسکا اعتراف خود میر کو بھی تھا کہ زمانہ انکو بد دماغ سمجھتا ہے

حالت تو یہ ہے مجھکو غموں سے نہیں فراغ
دل سوزش درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے چاک
ہے نام مجلسوں میں مرا میر بد دماغ(٨)

میر کی بددماغی زمانے کی ستم ظریفیوں کا نتیجہ تھی یا اسکا تعلق بھی خاندانی پس منظر سے ہے اس سلسلہ میں وافر شواہدتو نہیں ہیں لیکن علی سردارجعفریکی صراحت تو یہی ہے کہ ا نکا پاگل پن انکے ورثہ سے مرتبط تھا "ذہنی ورثے میں انکو تصوف کے بعض خیالات اور چچا کا پاگل پن ملا جس نے آگے چل کر گل کھلایا اور جوانی کی ابتدائی بہاریں دیوانگی کی نذر ہو گئیں "(٩)میر کے پاگل پن کو انکے ورثہ سے جوڑنے کو اس وقت اور بھی تقویت حاصل ہو جاتی ہے جب میر خود اپنی سوانح میں لکھتے ہیں "میرے دادا کے ٢ لڑکے تھے بڑے کے دماغ میں خلل تھا یہ جوانی میں ہی مر گئے "(١٠)اگرچہ خاندان کے کسی فرد کے پاگل پن کو دیگر افراد تک سرایت نہیں کیا جا سکتا شاید یہی وجہ ہے کہ خود میر فن اور پاگل پن کے مصنف اسے انکے خاندانی پس منظر سے نہ جوڑ کر زمانے کی آزمائشوں سے متعلق قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں "میر تقی میر کوجوانی میں ہی اتنی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ اپنی زندگی کا توازن برقرار رکھنے کی کوشش میں ذہنی توازن کھو بیٹھے انہیں عنفوان شباب میں ہی پاگل پن کے شدید دورے کا سامنا کرنا پڑا "(١١) با این ہمہ میر اپنی ذہنی بیماری کا حال کچھ یوں لکھتے ہیں "میرا

Scanned by CamScanner

دکھا ہوا دل اور بھی زخمی ہو گیا اور میں پاگل ہو گیا مزاج میں وحشت پیدا ہو گئی جس کوٹھری میںرہتا اسکا دروازہ بند کر لیتا اور اس ہجوم افکار میں تنہا بیٹھ جاتا چاند نکلتا تو میرے لئے قیامت ہو تی لوگ مجھ سے دور بھاگتے چاند رات میں ایک حسین پیکر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ کوہ قمر سے میری طرف آتا اور مجھے بے خود کر دیتا جدھر بھی آنکھ اٹھتی اسی پر نظر پڑتی جس طرف دیکھتا اسی غیرت حور کا تماشہ کرتا میرے گھر کے درو بام اور صحن گویا ورق تصویر ہو گئے تھے " (۱۲) میر کی اپنے ذہنی توازن کے بارے میں مذکورہ بالا صراحت کے بعد بھی کچھ لوگ انہیں اس بیماری کا شکار تسلیم نہ کر کے اسکی توجیہ پیش کرتے ہیں "تنہائی میں رازو نیاز کی عادت انہیں انکے والد سے ملی تھی جسکے اثرات تا عمر باقی رہے اور انہیں کیفیات میںڈوب کر وہ بہت سی ایسی باتیں کہتے رہے جو ذہنی بیماری سمجھ لی گئیں حالانکہ یہ انکا تجاہل عارفانہ ہے "(۱۳)

انکی ذات اور شعری کائنات جذب جنون،عشق و دیوانگی اور شیفتگی و افسردگی میں محدود کر دینے والوں نے اس اہم ترین نکتہ کو نظر انداز کیا ہے اگرچہ انہوں نے بہت واضح لفظوں میں جتا دیا ہے

خوش ہیں دیوانگی میر سے سب
کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

میر کے دماغی خلل کو یکسر مسترد کرتے ہوئے کچھ لوگ اسے جنون آگہی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے میر کی ایک شعوری اور فنکارانہ کوشش کا نام دیتے ہیں "میر کے جنون میں شعور کا دخل یا دل کی شکستگی میں ذہن کی نکتہ سنجی کی شمولیت نہ ہوتی تو وہ ہرگز نہ کہتے کہ :

دیدینی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے (۱٤)

اسی لئے میر کی غزلیں شاعری ،شکستگی،دل یا جنون آگہی کو قابل دید بنانے کی فنکارانہ کوشش کہی جا سکتی ہے (۱۵)

حالات کی ستم ظریفی :

میر کے دماغی خلل کو انکے فنکارانہ شعور سے تعبیر کیا جائے یا اسے خاندانی پس منظر سے جوڑا جائے لیکن میر کے اوپر گزرنے والی کیفیات کے تعلق کو زمانے کی ستم ظریفیوں سے لا تعلق نہیںرکھا جا سکتا ہے .

Scanned by CamScanner

میر جیسے حساس طبیعت کے مالک انسان کے لئے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھنے کے لئے کیا کم ہے کہ وہ اپنے باپ کے انتقال کے وقت اتنے مجبور تھے کہ انہیں سپرد خاک کرنے کے لئے انکے پاس دفن کفن کا انتظام نہ تھا بقول علی سردار جعفری"جب انکے باپ کا نتقال ہوا تو وہ تین سو روپئے کے مقروض تھے اور انہوں نے اپنے ترکہ میں چند سو کتابوں کے سوا کچھ نہیں چھوڑا انکی کتابوں پر میر کے سوتیلے بھائی نے قبضہ کر لیا اور میر نے باپ کے ایک مرید کی بھیجی ہوئی پانسو روپئے کی ہنڈی لے کر قرض ادا کرکے لاش دفن کی "(١٦)

بعد از وفات والد:

میر کے اوپر انکے والد کی وفات کے بعد کیا گزری اسکا اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ اس زمانے میں تفصیلی حالات کا جائزہ ذرا مشکل ہے گرچہ خود میر کے قلم سے بکھرے ہوئے درد میں ڈوبے حروف کافی حد تک اس کرب کے بیان گر ہیں جو میر پر بعد وفات طاری تھا "درویش نے آنکھیں موندیں تو سارا عالم میری نظر میں تاریک ہوگیا بڑا حادثہ رونما ہوا آسمان مجھ پر آٹھ آٹھ آنسو روتا تھا صبر و شکیب جاتا راہا درو دیوار سے سر پھوڑتا تھا خاک پر لوٹتا تھا بڑا ہنگامہ بپا ہوا گویا قیامت نمو دار ہو گئی میرے بڑے بھائی نے طوطاچشمی اختیار کر لی"(١٧)

سوتیلے بھائی کا سلوک:

اپنے والد کی وفات کے بعد کچھ عرصہ میر دہلی جا کراپنے سوتیلے ماموں سراج الدین علی خان آرزو کے یہاں ٹہرے لیکن حالات کچھ ہی دن سازگار رہے اور انکے بھائی کے ماموں کے نام زہر بھرے خط نے انکی زندگی میں زہر بھر دیا .میر لکھتے ہیں "میرے بھائی کا خط ماموںکے نام پہونچا کہ میر محمد تفتیش روزگار ہے اسکی تربیت ہرگز نہیں کرنا چاہیئے . آرزو پکے دنیا دار تھے اپنے بھانجے کی عداوت دیکھ کر میراکا برا چاہنے لگے اگر سامنے پڑتاتو پھٹکارنے لگتے اور بچ بچ کر رہتا تو اول فول بکتے ہر وقت ان کی نگاہ میری نگرانی میں رہتی اور میرے ساتھ دشمنوں کا سا برتائورکھتے میرا دکھا ہوا دل اور بھی زخمی ہو گیا اور میں پاگل ہو گیا "(١٨)

دلّی کی ویرانی :

جس قدر میر کے حالات کی ابتری نے انہیں رلایا اس قدر زمانہ نے بھی دل

Scanned by CamScanner

میر کی کیاری میں بے شمار زخموں کے پھول کھلائے میر کا اپنے والد کی وفات کے بعد جس قدر بے یاورو بے یار ہونا کرب ناک ہے اسی قدر دہلی کا تاراج ہونا بھی جس قدر میر کو انکی ذاتی محرومیوں نے رلایا اتنا ہی دہلی کی ویرانی نے بھی خود لکھتے ہیں "ہر قدم پہ رویا اور عبرت حاصل کی جب آگے بڑھا تو حیران ہوا مکان پہچان میں نہ آوے درو دیوار نظر نہ آئے عمارت کی بنیادیں نظر نہ آئیں رہنے والوں کی کوئی خبر نہ ملی "(۱۸)ہلی پر تاخت و تاز کو عبرت کے طور پر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں :

شہاں کے کحل جواہر تھی خاک پا جنکی آنکھوں میں
انہیں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھیں

یہ شعر اس تاریخی پس منظر کا حامل ہے کہ جس میں جمیل جالبی کے بقول" ۱۷۵۳ میں صفدر جنگ کی حمایت سے مرہٹوں نے پھر دلی کو تاراج کیا اور عماد االملک نے احمد شاہ کو قید کر کے ۱۷۵٤ میں آنکھوں میں سلائیاں پھرا کر اندھا کر دیا ۔

دلی جسکا ذکر بار بار انکی (میر)شاعری میں آتا ہے صرف کسی شہر کا نام نہیں ہے بلکہایک عظیم مرتی ہوئی تہذیب کی روح کا اشارہ ہے" دلی کی ویرانی نے میر کو اس قدر افسردہ کیا کہ جب ایک معاشرے میں عجیب و غریب حلیہ لئے پہونچے اور لوگوں نے وطن دریافت کیا تو جب شمع ان کے سامنے آئی تو فی البدایہ فرمایا :

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساتھیوں
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اسکو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے (۱۹)

خصائل وفطرت :

جہاں میر کی زندگی کا وہ حصہ اپنے اندر عبرتیں لئے ہوے ہے جسکا تعلق حالات اور زمانے سے ہے وہیں خود میر کے ذاتی خصائل اور انکی فطری جبلت بھی اہل ذوق کے مطالعہ کے لئے بے سود نہیں ہے

Scanned by CamScanner

۱۔ خود داری و قناعت :

میر کی شخصیت میں جو چیز ہر انسان کو انکی شخصیت کا گرویدہ بنا دیتی ہے وہ انکی خود داری اور قناعت پسندی ہے خود داری کا تو خیر ذکر ہی کیا لیکن قناعت کا عالم یہ ہے کہ بقول محمد حسین آزاد صاحب "قناعت اور غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ اطاعت تو در کنار نوکری کے نام کو بھی برداشت نہ رکھتے تھے نتیجہ یہ کہ فاقے کیا کرتے اور دکھ بھرتے تھے"(۲۰)

خوددار اس قدر تھے کہ اپنے عصری تقاضوں کے بر خلاف کبھی انعام و اکرام کے لالچ میں کسی بڑے سے بڑے نواب یا بادشاہ کے لئے ۲ حرف بھی نہ کہے چاہے کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے اور امراء و اشراف کی خوشامد کو سخت ناپسند کرتے تھے قطعی طور پر انکی مدح سرائی سے گریز کرتے تھے حتی انکی جانب سے پیش کئے جانے والے اعزازی اور تشویقی تحائف و انعامات سے بھی بیزار رہتے اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیتے "کہ وہ ہونگے بادشاہ اپنے دیار کے ہم اپنے من کے بادشاہ ہیں یہ انکی عدم خوشامد اور شاہان وقت کی مدح سرائی سے گریز کا ہی خاصہ ہے امراء کی تعریف میں اکثرشعراء کا کلام مل جائے گا لیکن میر کہیں نظرنہیں آئیں گے چنانچہ محمد حسین آزاد امراء کی تعریف میں قصائد نہ کہنے کا سبب انکے توکل اور انکی قناعت پسندانہ زندگی کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں "امراء کی تعریف نہ کرنے کا یہ بھی سبب تھا کہ توکل اور قناعت انہیں بندوں کی خوشامد کی اجازت نہ دیتے تھے " (۲۱)

مجھکو دماغ وصف گل و یاسمن نہیں
میں جوں نسیم باد فروش چمن نہیں

انکے لئے محمد حسین آزاد کی یہ تعبیر بہت مناسب معلوم ہوتی ہے "یہ سمجھ لو کہ قسام ازل نے انکے دسترخوان سے مدح و قدح کے ۲ پیالے اٹھا کر سودا کے یہاں دھر دئے تھے "(۲۲)

انکی یہ سوچ تھی کہ بادشاہ اپنے ملک کا حاکم ہے تو ہم اپنے ملک کے بادشاہ ہیں تو بھلا کیوں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں یا کیوں کسی کا عطیہ قبول کریں بلا وجہ کچھ لینے کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے اور اپنی فقیری کو اپنا

Scanned by CamScanner

سر مایہ چنانچہ محمد حسین آزاد صاحب نے تحریر کیا ہے "اکثر صاحبان عالیشان جب لکھنو جاتے تو میر صاحب کو ملاقات کے لئے بلاتے مگر یہ پہلو تہی کرتے اور کہتے مجھ سے جو کوئی ملتا ہے تو یا مجھ فقیر کے خاندان کے خیال سے یا میرے کلام کے سبب صاحب لوگوں کو خاندان سے غرض نہیں میرا کلام سمجھتے نہیں البتہ کچھ انعام ضرور دیں گے ایسی ملاقات سے ذلت کے سوا کیا حاصل"(۲۳) انکی یہی سوچ تھی جس نے انہیں فقر کے بعد بھی بادشاہ بنائے رکھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو کسی بادشاہ سے کم نہ سمجھتے تھے سو کسی کے سامنے دست دراز کرنا تو کجا دینے والے کے ساتھ وہ رویہ اختیار کرتے کہ وہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ وہ کون سی دولت اس شخص کے پاس ہے جس پر تکیہ کرتے ہوئے ہمیں بھی خاطر میں نہیں لا رہا یہ سچ ہے میر اپنے من اور اپنے دل کے بادشاہ تھے تبھی تو بڑوں بڑوں کو خاطرمیںنہیں لاتے چنانچہ "ایک دن نواب(سعادت علی خان) کی سواری جا رہی تھی یہ تحسین کی مسجد پر سر راہ بیٹھے تھے سواری سامنے آئی سب اٹھ کھڑے ہوئے میر صاحب اسی طرح بیٹھے رہے سید انشاء خواص میں تھے نواب نے پوچھا انشاء یہ کون شخص ہے جسکی تمکنت نے اسے اٹھنے بھی نہ دیا عرض کی جناب عالی یہ وہی گدائے متکبر ہے جسکا ذکر حضور میںاکثر آیا کرتا ہے (گزارے کا وہ عالم اور مزاج کا یہ عالم) سعادت علی خان نے آکر خلعت بحالی کی اور ایک ہزار روپیہ دعوت کا بھجوایا جب چوبدار لے کر گیا میر صاحب نے واپس کر دیا اور کہا مسجد میں بھجوائیے یہ گناہگار اتنا محتاج نہیں ہے .سعادت علی خان جواب سن کر متعجب ہوئے مصاحبوں نے سمجھایا غرض نواب کے حکم سے سید انشاء خلعت لے کر گئے اور اپنی طرز پر سمجھایا کہ نہ اپنے حال پر بلکہ عیال پرر حم کیجئے اور بادشاہ وقت کا ہدیہ قبول فرمائیں میر صاحب نے کہا صاحب وہ اپنے ملک کے بادشاہہیںمیں اپنے ملک کا بادشاہ ہوں"(۲٤)

بیباک انداز گفتگواور ۲ٹوک لہجہ

میر لگی لپٹی کہنے کے عادی نہیںتھے وہ ۲ اور ۲ چار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے جو بات ہوتی بغیر کمی و کسر کے سامنے اور بلا جھجھک و تکلف کہہ ڈالتے تھے اور اس قدر برجستہ اور صریح انداز اپناتے کے سامنے والا اگر غلطی پر ہے تو پانی پانی ہو جائے .محمد حسین آزاد صاحب نے اس بے دھڑک

Scanned by CamScanner

اور برجستہ انداز گفتگو کے کچھ نمونے پیش کئے ہیں ملاحظہ ہوں ؛
ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے نواب کی سواری سامنے آئی دیکھتے ہی نہایت محبت سے بولے میر صاحب آپ نے بالکل ہی ہمیں چھوڑ دیا ہے کبھی تشریف بھی نہیں لاتے میر صاحب نے
کہا بازار میں باتیں کرنا ادب شرفاء نہیں ہے یہ کیا گفتگو کا موقع ہے (۲۵)
لکھنو کے چند عمایدین و اراکین جمع ہو کر ایک دن آئے کہ میر سے ملاقات کریں اور اشعار سنیں میر صاحب تشریف لائے مزاج پرسی وغیرہ کے بعد انہوں نے فرمائش اشعار کی میر صاحب نے اول تو کچھ ٹالا پھر صاف جواب دیا کہ صاحب قبلہ میرے اشعار آپکی سمجھ میں نہیں آنے کے اگر چہ ناگوار ہو ا مگر بنظر آداب و اخلاق ان لوگوں نے گراں خاطر ہو کر کہا کہ حضرت انوری اور خاقانی کا کلام سمجھتے ہیں آپ کا ارشاد کیوں نہیں سمجھیں گے؟ میر نے کہا یہ درست ہے مگر انکی شرحیں ، مصطلاحات اور فرہنگیں موجود ہیں اور میرے کلام کے لئے فقط محاورہ اہل اردو ہے یا جامع مسجد کی سیڑھیاںاور اس سے آپ محروم ہیں یہ کہہ کر ایک شعر پڑھا : عشق برے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھیر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا (۲۶)
امیر قمرالدین دلی میں ایک شاعر گزرے ہیں علوم رسمی کی قابلیت سے عمایددربارشاہی میںتھے وہ میر صاحب کے زمانے میں مبتدی تھے شعر کا بہت شوق تھا اصلاح کے لئے اردو کی غزل لے گئے میرصاحب نے وطن پوچھاانہوں نے سونی پت علاقہ پانی پت بتلایا آپ نے فرمایا سید صاحب اردو ئے معلی خاص دلی کی زبان ہے آپ ا سمیں تکلف نہ کیجئے اپنی فارسی وارسی میں کہہ لیا کیجئے(۲۷)
اسعادت یار خان رنگیں نواب طہماسب بیگ خان قلعدار شاہی کے بیٹے تھے ۱۴،۱۵ برس کی عمر تھی شان و شوکت سے گئے اور غزل اصلاح کے لئے پیش کی سن کر کہا صاحب زادے آپ خود امیر ہیں اور امیر زادے ہیں نیزہ بازی ،تیر اندازی کثرت سے کیجئے شہ سواری کی مشق فرمائیے شاعری دل خراشی و جگر سوزی کا نام ہے آپ سکے در پئے نہ ہوں انہوں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ آپ کی طبیعت اس فن کے مناسب نہیں یہ آپکو نہیں آنے کا خومخواہ میری اور اپنی اوقات ضائع کرنی کیا ضرور ہے (۲۸)

Scanned by CamScanner

میر کی زندگی میں اس طرح کے ڈھیروں نمونے مل جائں گے کہ جن سے میر کی حساس طبیعت کے ساتھ ساتھ انکی ظرافت طبع لہجہ کی شفافیت ،زبان کی شائستگی اور صداقت ،اور انکی روحی بالیدگی کا پتہ چلتا ہے۔

میر کی زندگی میں بکھرے ہوئے درد اور جراحتوں کا اندازہ خود انکے اشعار سے بھی کیا جا سکتا ہے انکی گہری نظر اور آفاقی سوچ کا آج بھی کوئی ثانی نہیں

اسکا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ

کربلا کے سجدہ آخر کو یوں نے بہت سے شعرا نے نظم کیا ہے لیکن میر تقی میر نے جو کچھ اپنے ایک شعر میں بیان کر دیا ہے وہی میر کی حساس طبیعت اور لہجہ کی انفرادیت کے لئے کافی ہے ۔

زیر شمشیر ستم میر تڑپنا کیسا

سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

جب تک دنیا میں احساس باقی ہے میر کا نام افق ہستی پر اپنی روشنی بکھیرتا رہے گا ۔ یقینامیر جسیا تڑپتا ہوا احساس ہی اتنے برجستہ انداز میں کہہ سکتا ہے

مرگ مجنوں سے عقل گم ہے مری

کیا دوانے نے موت پائی ہے

لحظے لمحوں میں لمحے سالوں میں سال صدیوں میں بدل جائیں گے لیکن میر کی درد میں ڈوبی آواز ہمیشہ سنائی دیتی رہے گی ۔

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز

تا عمر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

Scanned by CamScanner